ہمارے لاشے نہ خریدو
Milk
عابد محمود عزام

ہمارے لاشے نہ خریدو!

ہر خریدی گئی شے پر ہمارا لہو خشک ہو رہا ہے۔ تم بے فکر اور خاموش رہے تو قاتلوں کا ہاتھ کبھی نہ رکے گا۔

عابد محمود عزام

ہمارے لاشے نہ خریدو!

رات کے سناٹے میں گولیوں کی تڑتڑاہٹ اور دھماکوں کی گونج تھی۔ خوف کے سائے دیواروں پر لرز رہے تھے۔ کہانی کی شروعات ایک چھوٹے سے فلسطینی گاؤں سے ہوتی ہے، جہاں فضا میں دھوئیں کے بادل تیر رہے ہیں اور زمین خون سے سرخ ہو چکی ہے۔

بارہ سالہ حمزہ گھر کے ایک کونے میں سہمے بیٹھا تھا۔ باہر سے چیخوں اور فائرنگ کی آوازیں آ رہی تھیں۔ اس کی ماں امِّ حمزہ قرآن کے اوراق سینے سے لگائے آنکھیں بند کیے بیٹھی تھیں، جیسے دل ہی دل میں اپنے خاندان کی سلامتی کے لیے دعا مانگ رہی ہوں۔ والد ابوحمزہ اور بڑا بھائی یوسف دروازے کے قریب کھڑے تھے، ان کے چہرے پر عجیب سی خاموشی تھی، جیسے وہ جانتے ہوں کہ موت کتنی قریب ہے۔

"امی! یہ دھماکے رک کیوں نہیں رہے؟" حمزہ نے گھبرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔

"بیٹا! ظالموں کے پاس طاقت ہے، مگر ہمارے پاس ایمان ہے۔ وہ ہمیں مٹا سکتے ہیں، مگر ہمارے حوصلے نہیں توڑ سکتے!" امِّ حمزہ نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔

اچانک دروازے پر زوردار دھماکا ہوا، لکڑی کے ٹکڑے پورے کمرے میں بکھر گئے۔ اسرائیلی فوجی اندر داخل ہوئے، ان کی بندوقوں کے دہانے دھوئیں میں لپٹے ہوئے تھے۔ "سب باہر نکلو!" ان کا سرد لہجے میں حکم تھا۔

ابوحمزہ نے ایک لمحے کے لیے بیوی اور بچوں کی طرف دیکھا، جیسے وہ آخری بار انہیں دیکھ رہے ہوں۔

"ابو! یہ ہمیں مار دیں گے؟" حمزہ کی آواز کانپ رہی تھی۔ "نہیں بیٹا! جو اللہ کے راستے میں جان دیتا ہے، وہ کبھی مرتا نہیں!" ابوحمزہ نے نرمی سے کہا، مگر آنکھوں میں ضبط کی چمک تھی۔

اگلے ہی لمحے فوجی انہیں گھسیٹ کر باہر لے گئے۔ باہر کا منظر ناقابلِ بیان تھا۔ ہر طرف لاشیں بکھری ہوئی تھیں، ملبے کے نیچے دبی چیخیں ابھی بھی سنائی دے رہی تھیں۔ حمزہ نے اپنے سامنے ایک چار سالہ بچے کی لاش دیکھی،

جس کے ہاتھ میں ابھی بھی ایک کھلونا تھا۔

"ابو! ہمیں کیوں مارا جا رہا ہے؟ ہم نے کسی کا کیا بگاڑا؟" حمزہ نے خوف زدہ ہو کر پوچھا۔ "بیٹا! کیونکہ ہم فلسطینی ہیں اور ہم نے آزادی کا خواب دیکھا ہے۔" ابو حمزہ کی آواز رندھ گئی۔

اسی لمحے ایک فوجی نے بندوق سیدھی کی اور ٹرگر دبا دیا۔ ابو حمزہ کی آنکھوں میں ایک لمحے کے لیے روشنی چمکی، پھر وہ زمین پر گر گئے۔ "ابووو!" حمزہ کی دل دہلا دینے والی چیخ پورے علاقے میں گونجی۔

یوسف نے غصے سے بھاگنے کی کوشش کی، مگر گولیوں نے اس کا راستہ روک دیا۔ امِ حمزہ دیوانہ وار اپنے شوہر اور بیٹے کی لاشوں پر گری، لیکن ظالموں کو رحم کہاں آتا ہے؟

حمزہ اپنی بہن فاطمہ کو تلاش کرنے لگا، لیکن وہ کہیں نظر نہیں آ رہی تھی۔ گاؤں کے باقی لوگ چیخ رہے تھے، لیکن موت کا رقص جاری تھا۔ اسرائیلی ٹینک اب پورے علاقے کو تباہ کر رہے تھے۔ رات بھر حملہ جاری رہا اور جب سورج نکلا تو گاؤں صرف ملبے کا ڈھیر تھا۔ حمزہ نے جب آنکھ کھولی تو اس کے اردگرد صرف خاموشی تھی۔ ہر طرف لاشیں پڑی تھیں، دھواں ابھی بھی اٹھ رہا تھا۔

وہ اکیلا رہ گیا تھا..... نہ ماں تھی، نہ باپ، نہ بھائی، نہ بہن۔

"کیا دنیا نے ہمیں بھلا دیا ہے؟" اس نے ٹوٹے ہوئے مکان کے ملبے پر بیٹھ کر خود سے سوال کیا۔

حمزہ کے لبوں سے نکلا یہ سوال صدیوں کا نوحہ بن چکا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ ہاں، دنیا نے انہیں واقعی بھلا دیا ہے۔ وہ دنیا جو ہر مظلوم کی دہائی سنتی ہے، وہ اقوامِ متحدہ جسے انسانیت کی رکھوالی کہا جاتا ہے، وہ عالمی ضمیر جو ایک چیخ پر بیدار ہو جاتا ہے، لیکن فلسطین کے بچوں کی لاشیں اسے جگا نہیں پاتیں۔

مسلم حکمران.....؟ وہ تو اپنے تاج بچانے میں مصروف ہیں۔ وہ تو اپنے مفادات کے اسیر بن چکے ہیں۔ ایسا لگتا ہے کہ شاید ان کے سینے میں دل نہیں، بلکہ پتھر ہے، اسی لیے مظلوم فلسطینیوں کے تڑپتے لاشے بھی مسلمان حکمرانوں کو بیدار نہیں کر پا رہے۔ مظلوم و مقتول فلسطینی بچوں کا لہو چیخ چیخ کر کہتا ہے: "ہم پر قیامت گزر رہی ہے، لیکن تم کہاں ہو؟" حمزہ کے دل میں طوفان اٹھا، "کیا ہم انسان نہیں؟ کیا ہماری ماؤں کے آنسو، ہماری بہنوں کی چیخیں، ہمارے بچوں کے زخم۔ بس اس لیے بے معنی ہیں کہ ہم فلسطینی ہیں؟"

دنیا کے بازاروں میں ہماری بربادی نیلام ہورہی ہے اور کوئی بولنے والا نہیں۔ہم ہر روز مر رہے ہیں اور دنیا..... بس خاموش تماشائی بنی بیٹھی ہے۔

لیکن اسے معلوم نہیں تھا کہ اس کی زندگی کا اصل امتحان ابھی شروع ہوا ہے۔حمزہ کی آنکھوں میں آنسو خشک ہو چکے تھے۔سورج کی پہلی کرن جیسے ہی ویران گلیوں میں اتری تو تباہی کا منظر مزید نمایاں ہوگیا۔وہ ایک پتھر پر بیٹھا تھا،نظریں ملبے میں کچھ ڈھونڈ رہی تھیں، شاید اپنی ماں، بھائی یا بہن کو، یا شاید اپنے کھوئے ہوئے خوابوں کو۔

"یااللہ! میں اکیلا رہ گیا؟" اس نے آسمان کی طرف دیکھا، جیسے کوئی جواب چاہ رہا ہو۔

"تم اکیلے نہیں ہو!" حمزہ نے چونک کر پیچھے دیکھا۔ایک نوجوان کھڑا تھا، دھول میں اٹا ہوا، آنکھوں میں غصے کی چنگاریاں اور چہرے پر تھکن۔"میں خالد ہوں۔تمہیں یہاں نہیں رہنا چاہیے، یہ علاقہ ابھی بھی خطرے میں ہے۔"

حمزہ کچھ لمحے خاموش رہا، پھر آہستہ سے بولا:"میرا پورا خاندان ختم ہوگیا، میں کہاں جاؤں؟"

"جہاں ہم سب جارہے ہیں.....اپنے حق کے لیے لڑنے!" خالد نے مضبوط لہجے میں کہا۔

خالد نے حمزہ کا ہاتھ پکڑا اور وہ دونوں ملبے کے درمیان سے گزرتے ہوئے ایک ویران گلی میں داخل ہوگئے۔ راستے میں انہیں ہر جگہ ظلم کی نشانیاں نظر آئیں۔کوئی بچہ اپنی ماں کی لاش سے لپٹا ہوا تھا، کہیں ایک باپ اپنے بیٹے کے بے جان جسم کے قریب بیٹھا آسمان کو دیکھ رہا تھا۔

"یہ سب کیسے برداشت کرتے ہیں؟" حمزہ نے کپکپاتی آواز میں پوچھا۔

"جب تمہارے پاس کھونے کے لیے کچھ نہ بچے تو تم برداشت نہیں کرتے، لڑتے ہو!" خالد نے مٹھی بھینچ لی۔

چند گھنٹے بعد وہ ایک خفیہ پناہ گاہ میں پہنچے، جہاں فلسطینی نوجوانوں کا ایک گروہ جمع تھا۔ان سب کی آنکھوں میں ایک ہی آگ جل رہی تھی۔آزادی کی جنگ!

"یہ ظلم کیوں نہیں رک رہا؟" حمزہ نے کسی سے پوچھا۔"کیونکہ دنیا خاموش ہے! اسرائیل کو طاقت کہاں سے ملتی ہے؟ انہی ممالک سے جو اس کے حامی ہیں، انہی کمپنیوں سے جو اسلحہ اور سرمایہ فراہم کرتی ہیں اور انہی لوگوں

سے جوان کی مصنوعات خرید کر انہیں مضبوط کرتے ہیں!"

حمزہ حیرت سے ان نوجوانوں کی باتیں سنتا رہا۔ خالد نے ایک کاغذ اس کے ہاتھ میں دیا۔

"یہ دیکھو..... یہ وہ کمپنیاں ہیں جو اسرائیلی فوج کے لیے سرمایہ فراہم کرتی ہیں۔ جو کچھ دیر پہلے تمہارے بھائی اور باپ کو گولیوں سے چھلنی کر چکی ہیں۔ ان کی بندوقیں، ان کے ٹینک، ان کے ڈرون.....انہی کمپنیوں کے پیسوں سے خریدے جاتے ہیں!" خالد نے فہرست حمزہ کے ہاتھ میں تھمادی۔

حمزہ نے جیسے انگارے چھو لیے ہوں۔ یہ وہی نام تھے جو وہ بچپن سے سنتا آیا تھا.....وہی چاکلیٹ، وہی جوس، وہی جوتے، وہی موبائل.....جنہیں لوگ اپنے بچوں کے لیے خوشی سمجھ کر خریدتے ہیں، انہی چیزوں کے منافع سے اسرائیل گولیوں کی بارش برساتا ہے۔

"تو جو لوگ ان کا سامان خریدتے ہیں.....وہ ہماری لاشوں پر دستخط کرتے ہیں؟" حمزہ کی آواز جیسے کسی قبر سے آ رہی تھی۔ "ہاں، یہی سچ ہے!"

خالد کی آنکھوں میں آنسو تھے، پر وہ رو نہیں رہا تھا۔ وہ تڑپ رہا تھا، اندر سے، پورا وجود کانپ رہا تھا۔

"جو تمہیں 'فلسطین ہمارا دکھ ہے' کہہ کر پوسٹیں کرتے ہیں، وہی اگلے دن انہی مصنوعات کی سیل دیکھ کر بھاگتے ہیں۔ جو اپنے گھروں پر فلسطینی پرچم لگاتے ہیں، وہی بچوں کو وہی چاکلیٹ کھلاتے ہیں جو ہمارے بچوں کے خون سے میٹھی بنی ہے!"

حمزہ زمین پر بیٹھ گیا، دل جیسے سینے سے نکال کر مٹی پر رکھ دیا ہو۔ "یعنی.....ہم صرف تماشہ ہیں؟ کوئی نہیں روکے گا یہ ظلم؟"

"نہیں، اگر ہم جاگ جائیں! اگر ہم سمجھ جائیں کہ دشمن صرف ٹینک سے نہیں مارتا، وہ ہمارے ضمیر کو سلا دیتا ہے! اور ہم.....! ہم مسلمان، دنیا کی سب سے بڑی امت، ہم خاموش ہیں!

ہمارا ایمان صرف جمعہ کے خطبے تک ہے، ہمارے آنسو صرف سوشل میڈیا تک ہیں.....!"

خالد کا لہجہ اب لرزنے لگا تھا۔

"یہ بائیکاٹ صرف ایک معاشی حربہ نہیں..... یہ ایمان کا امتحان ہے!

تم کہو تم فلسطینیوں کے ساتھ ہو اور تمہاری جیب سے نکلے پیسے میرے قاتل کو بندوق دلاتے ہیں؟

کیا یہ دوستی ہے..... یا دھوکہ؟"

اس نے فضا میں بلند ہو کر چیخ ماری: "اے امتِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم!

تُو کب جاگے گی؟

جب تیرے بچوں کی لاشیں بھی فلسطینیوں کے ساتھ گریں گی؟

کیا تُو تب بھی یہ کہے گی کہ یہ ہماری جنگ نہیں؟

نہیں! یہ تیری جنگ ہے!

یہ تیرے کعبے کی حفاظت کا معرکہ ہے، یہ تیرے رسول کی امت کے دفاع کی جنگ ہے!

اے مسلمان اگر آج تُو خاموش رہا تو کل تیرے شہر بھی ویران ہوں گے!"

خالد کا ہاتھ آسمان کی طرف بلند تھا۔ "ربِ کعبہ کی قسم.....! اگر مسلمان جاگ جائیں، اگر وہ بائیکاٹ کو اپنے ایمان کا حصہ بنالیں تو ظالموں کی معیشت زمین بوس ہو جائے!

ان کی فیکٹریاں ویران ہو جائیں!

ان کی بندوقیں زنگ آلود ہو جائیں!

اور فلسطین پھر سے جنت بن جائے.....!"

خاموشی چھا گئی۔

صرف حمزہ کی آنکھوں میں طوفان بول رہا تھا۔ وہ اٹھا، فہرست کو غور سے دیکھنے لگا۔ "میں وعدہ کرتا ہوں..... خالد! میں کسی ایسی چیز کو ہاتھ نہیں لگاؤں گا جس پر میرے بھائی کے خون کی مہک ہو!"

خالد نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ "یہی شعور اگر ہر دل میں جاگ جائے..... ہر مسلمان اگر یہی سچ سمجھ لے اور ظالموں کا ہر ہر مخالف اس حقیقت کو پہچان لے تو فتح کا سورج طلوع ہونے میں زیادہ دیر نہیں لگائے گا.....!"

حمزہ کے ذہن میں ایک نیا سوال ابھرا۔ کیا اس کے والد اور بھائی کی قربانی کا بدلہ صرف لڑائی سے لیا جا سکتا

ہے؟ یا دنیا کو حقیقت دکھانا زیادہ ضروری ہے؟" ہمیں سب کو جگانا ہوگا، ہمیں لوگوں کو بتانا ہوگا کہ ان کی خاموشی ہی ہمارا سب سے بڑا دشمن ہے!"

یہ کہتے ہوئے اس کے اندر کوئی نیا حوصلہ جاگ رہا تھا۔ حمزہ کے اندر جیسے کوئی نئی روشنی جاگ چکی تھی۔ اسے اب معلوم ہو چکا تھا کہ ظلم صرف بموں اور گولیوں سے نہیں ہوتا، بلکہ یہ معیشت کے میدان میں بھی جاری ہے۔ دشمن کی بندوقیں، میزائل اور ٹینک سب انہی کمپنیوں کے پیسوں سے آتے ہیں، جو دنیا بھر میں اپنی مصنوعات بیچ کر کماتی ہیں۔ "ہم صرف ہتھیاروں سے نہیں لڑ سکتے، ہمیں شعور کی جنگ بھی لڑنی ہوگی!" خالد نے حمزہ کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

وہ آہستہ سے بولا: "یعنی جو لوگ یہ چیزیں خریدتے ہیں، وہ نادانستہ طور پر ہمارے قاتلوں کی مدد کر رہے ہیں؟"

"ہاں! لیکن مسئلہ یہ ہے کہ لوگ یا تو بے خبر ہیں یا بے حس۔ وہ سوچتے ہیں کہ ان کا ایک چھوٹا سا اقدام کچھ نہیں بدل سکتا، جبکہ حقیقت یہ ہے کہ اگر سب کھڑے ہو جائیں تو دشمن کا پورا نظام ہل سکتا ہے!"

حمزہ نے خالد کے ساتھ مل کر ایک منصوبہ بنایا۔ وہ سوشل میڈیا اور دوسرے ذرائع سے لوگوں تک یہ پیغام پہنچائیں گے کہ بائیکاٹ ہی وہ ہتھیار ہے جو ہر شخص استعمال کر سکتا ہے۔ "ہمیں پوری دنیا کے لوگوں کو یہ سمجھانا ہوگا کہ جو پیسہ وہ برگر، کافی اور موبائل پر خرچ کر رہے ہیں، وہ فلسطینی بچوں کی قبروں کی قیمت بن رہا ہے!"

اگلے دن حمزہ اور اس کے ساتھیوں نے ایک ویڈیو بنائی، جس میں فلسطین میں ہونے والے مظالم اور ان کمپنیوں کے کردار کو دکھایا گیا۔ "یہ وہ حقیقت ہے جو دنیا آپ سے چھپاتی ہے!" حمزہ نے کیمرے میں دیکھتے ہوئے کہا۔

یہ ویڈیو دنیا بھر میں پھیل گئی۔ کئی لوگوں نے پہلی بار جانا کہ وہ اپنی روزمرہ کی خریداری کے ذریعے کس طرح ظلم کا حصہ بن رہے ہیں۔ کچھ لوگوں نے فوراً ان برانڈز کا بائیکاٹ کرنے کا اعلان کیا، لیکن کئی ایسے بھی تھے جو اسے ایک عام پروپیگنڈا سمجھ کر نظر انداز کر رہے تھے۔ یہ مہم زیادہ دیر تک دشمن کی نظروں سے چھپی نہ رہ سکی۔ اسرائیلی انٹیلی جنس اور ان کے حامی ممالک نے ان ویڈیوز کو ہٹانے کی کوششیں شروع کر دیں۔

"یہ لوگ چاہتے ہیں کہ سچ دنیا کے سامنے نہ آئے!" خالد غصے سے بولا۔

"تو ہم رکیں گے نہیں! اگر ایک ویڈیو ہٹائیں گے تو ہم دس نئی بنائیں گے!" حمزہ کی آنکھوں میں چمک تھی۔ چند

دن بعد جب حمزہ اور اس کے ساتھی اپنے اگلے منصوبے پر کام کر رہے تھے تو ایک زوردار دھماکا ہوا۔ پوری پناہ گاہ لرز اٹھی۔ "یہ کیا تھا؟" ایک ساتھی چیخا۔ "ہمیں ڈھونڈ لیا گیا.....!" خالد کے چہرے پر سنجیدگی تھی۔

حمزہ نے مڑ کر دیکھا، دھوئیں میں لپٹا آسمان اور گرتی ہوئی دیواریں.....کیا وہ بھی انہی ملبوں کے نیچے دفن ہونے والے تھے؟

دھماکے کے بعد ہر طرف دھواں اور ملبہ بکھرا ہوا تھا۔ چیخ و پکار کی آوازیں گونج رہی تھیں۔ حمزہ کا سر چکرا رہا تھا۔ وہ زمین پر گرا ہوا تھا، جسم پر گرد جمی تھی اور سانس لینا مشکل ہو رہا تھا۔ "خالد!" اس نے زور سے پکارا، لیکن کوئی جواب نہیں آیا۔

وہ اٹھنے کی کوشش کر رہا تھا کہ اچانک کسی کا ہاتھ اس کے کندھے پر آیا۔ "اٹھو حمزہ، ہمیں یہاں سے نکلنا ہوگا!" یہ خالد تھا، جس کے ماتھے سے خون بہہ رہا تھا، مگر اس کی آنکھوں میں خوف کی بجائے عزم تھا۔ حمزہ نے اردگرد دیکھا۔ کئی ساتھی زخمی تھے، کچھ ہمیشہ کے لیے خاموش ہو چکے تھے۔ دشمن نے انہیں ڈھونڈ نکالا تھا۔ "یہ حملہ ہمیں روکنے کے لیے تھا، لیکن ہمیں ہار نہیں ماننی!" خالد نے زخمی ساتھیوں کو سہارا دیتے ہوئے کہا۔ "مگر اب ہم کہاں جائیں؟" حمزہ نے پوچھا۔

"ہماری آواز کو دبایا نہیں جا سکتا، ہمیں کسی محفوظ جگہ جا کر اپنی مہم کو جاری رکھنا ہوگا!" خالد نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔ حمزہ اور اس کے ساتھی ایک ویران علاقے میں ایک خفیہ پناہ گاہ میں پہنچے، جہاں کچھ اور مجاہدین پہلے سے موجود تھے۔ "ہمیں اس حملے سے سبق سیکھنا ہوگا۔ دشمن جان چکا ہے کہ بائیکاٹ کی مہم اس کے لیے خطرہ بن رہی ہے، اسی لیے اس نے ہمیں نشانہ بنایا۔" خالد نے کہا۔ "تو اس کا مطلب ہے کہ ہمارا کام اثر دکھا رہا ہے۔" حمزہ کی آنکھوں میں روشنی چمکنے لگی۔ "بالکل! اب ہمیں مزید بڑے پیمانے پر کام کرنا ہوگا، تاکہ دنیا کے ہر انسان کو پتا چلے کہ وہ اپنے پیسوں سے کس کا ساتھ دے رہا ہے!"

حمزہ اور اس کے ساتھیوں نے اپنی مہم کو مزید مضبوط کیا۔ انہوں نے کئی عرب، ایشیائی اور مغربی ممالک میں موجود فلسطین کے حامیوں سے رابطہ کیا۔ سوشل میڈیا پر ہیش ٹیگ ٹرینڈ کرنے لگے:

#BoycottIsrael

FreePalestine#

StopFundingGenocide#

کئی مشہور شخصیات نے بھی ان کی حمایت شروع کر دی۔ بڑی بڑی مارکیٹوں میں کچھ برانڈز کا بائیکاٹ ہونے لگا۔ یہ سب دیکھ کر اسرائیلی انٹیلی جنس حرکت میں آ گئی۔" یہ بائیکاٹ مہم ہمارے لیے خطرہ بنتی جا رہی ہے، اسے فوراً روکو!" اسرائیلی آفس میں ایک میٹنگ کے دوران ایک افسر نے غصے سے کہا۔" ہم نے ان کے ٹھکانے پر حملہ کیا، مگر وہ پھر بھی باز نہیں آئے!" ایک اور افسر نے رپورٹ پیش کی۔

" تو اب انہیں ہمیشہ کے لیے خاموش کرنا ہوگا!"

حمزہ اور اس کے ساتھی اپنی مہم میں مصروف تھے کہ انہیں خبر ملی کہ کچھ مشکوک لوگ ان کے تعاقب میں ہیں۔" ہمیں بہت محتاط رہنا ہوگا، دشمن ہمیں کسی بھی وقت نشانہ بنا سکتا ہے!" خالد نے خبردار کیا۔" اگر ہم رک گئے تو وہ جیت جائیں گے، ہمیں کسی بھی حال میں اپنی مہم کو جاری رکھنا ہوگا!" حمزہ نے عزم کے ساتھ کہا۔

اگلی رات، جب سب آرام کر رہے تھے تو باہر گاڑیوں کے رکنے کی آوازیں آئیں۔" یہ کون ہو سکتا ہے؟" حمزہ نے دھڑکتے دل کے ساتھ خالد سے پوچھا۔" دشمن آ چکا ہے....." خالد نے ہتھیار تھامتے ہوئے جواب دیا۔

اچانک گولیاں چلنے لگیں۔ چیخ و پکار، دھماکے اور دھوئیں کے بادل.....ایک اور حملہ شروع ہو چکا تھا۔

رات کی تاریکی میں روشنی کے شعلے بھڑک رہے تھے۔ گولیوں کی آوازیں فضاء میں گونج رہی تھیں۔ دشمن نے ان کے خفیہ ٹھکانے کو گھیر لیا تھا۔ حمزہ، خالد اور باقی ساتھی اپنی جان بچانے کے لیے ادھر ادھر چھپنے کی کوشش کر رہے تھے، مگر دشمن ہر طرف سے گھیر چکا تھا۔ حمزہ کا دل تیزی سے دھڑک رہا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اگر آج وہ مارے گئے تو ان کی مہم رک سکتی ہے، لیکن اگر وہ زندہ رہے تو فلسطین کی آواز کو دنیا بھر میں گونجنے سے کوئی نہیں روک سکے گا۔

" حمزہ! پیچھے ہٹو، وہ آ رہے ہیں!" خالد نے چلاتے ہوئے اسے دیوار کی طرف دھکیل دیا۔ گولیوں کی بوچھاڑ ہوئی۔ ایک ساتھی زمین پر گر گیا، اس کی آنکھیں ہمیشہ کے لیے بند ہو گئیں۔ حمزہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے، لیکن وہ جانتا تھا کہ جذبات میں بہہ کر رکنا موت کو گلے لگانے کے مترادف ہوگا۔

"ہمارے پاس ایک راستہ ہے، پچھلی دیوار کے پیچھے ایک خفیہ سرنگ ہے، جلدی کرو!" خالد نے سب کو اشارہ کیا۔ وہ ایک ایک کر کے سرنگ میں داخل ہونے لگے، مگر جیسے ہی آخری ساتھی داخل ہونے والا تھا، دشمن نے اسے دیکھ لیا۔ گولی چلی اور وہ وہیں ڈھیر ہو گیا۔ "ہم کچھ نہیں کر سکتے، ہمیں چلنا ہوگا!" خالد نے سختی سے کہا۔

یہ سرنگ انہیں ایک ویران علاقے میں لے آئی، جہاں روشنی کی ایک کرن بھی نہیں تھی۔ سب کے چہرے گرد و خون میں لپٹے ہوئے تھے، لیکن ان کے دلوں میں ایک ہی بات تھی "ہمیں رکنا نہیں!"

حمزہ نے سانس بحال کرتے ہوئے کہا، "یہ جنگ صرف میدان میں نہیں، بلکہ دماغوں میں بھی لڑی جا رہی ہے۔ ہم ہار نہیں سکتے!"

دوسری طرف، ان کی بائیکاٹ مہم دن بہ دن زور پکڑتی جا رہی تھی۔ حمزہ اور اس کے ساتھیوں نے جو مشعل جلائی تھی، اب وہ ایک شعلہ بن چکی تھی جو بستیوں سے نکل کر شہروں تک، شہروں سے نکل کر براعظموں تک پھیل چکی تھی۔ ہر گلی، ہر بازار، ہر اجتماع میں ایک ہی صدا تھی: "خون آلود مصنوعات کا بائیکاٹ کرو!"

کئی بڑے اسٹورز نے اسرائیلی مصنوعات بیچنے سے انکار کر دیا تھا۔ کچھ نے تو اپنے بورڈوں پر لکھ دیا: "ہم ان ہاتھوں سے کاروبار نہیں کرتے جو بچوں کے خون سے رنگے ہوں!"

بین الاقوامی کمپنیوں کی نیندیں حرام ہو چکی تھیں۔ کئی معروف برانڈز، جن کے اشتہارات کبھی ہر زبان، ہر پردے، ہر دیوار پر دکھائی دیتے تھے، اب تنقید کی زد میں تھے۔ ان کے اسٹاک گرنے لگے، ان کی مارکیٹ ویلیو کروڑوں ڈالر نیچے آ گئی۔ ان کے شیئر ہولڈرز سوال اٹھانے لگے: "کیا فلسطینی بچوں کی لاشوں پر ہماری تجوریاں بھرنا ضروری ہے؟" یہ سب دیکھ کر اسرائیلی حکام بے چین ہو گئے تھے۔ تل ابیب کے ایک خفیہ اجلاس میں ایک جنرل چیخا: "یہ چند نوجوان ہمارے لیے اتنا بڑا خطرہ کیسے بن سکتے ہیں؟"

ایک اور افسر نے ماتھے پر بل ڈالے: "اگر انہیں نہ روکا گیا تو دنیا کا ہر شخص ہمارے خلاف کھڑا ہو جائے گا اور جب دنیا جاگ جائے.....تو ہم کہاں جائیں گے؟"

اسرائیلی میڈیا پر بھی سوالات اٹھنے لگے تھے۔ پہلی بار، دنیا کے بڑے صحافی بائیکاٹ پر بات کر رہے تھے۔ شہر شہر، ملک ملک.....لوگوں نے اپنے دل سے آواز دی: "ہم خون سے لت پت اشیاء نہیں خریدیں گے!"

یہ صرف ایک مہم نہیں تھی، یہ ایک طویل غلامی سے انکار تھا، یہ ایک نئی بیداری کا آغاز تھا۔ حمزہ جب کسی دیوار پر یہ جملہ دیکھتا: "میں نے آج فلسطین کی خاطر ایک برانڈ چھوڑا!"

تو اس کا دل خوشی سے بھر جاتا۔ یہ وہ قطرہ تھا جو طوفان بن چکا تھا۔ یہ وہ ہتھیار تھا جو بغیر گولی چلائے، دشمن کی بنیادیں ہلا رہا تھا۔ خالد نے ایک روز حمزہ سے کہا: "دیکھا؟ ہم نے صرف شعور جگایا.....اور دنیا لرز گئی!"

حمزہ مسکرایا، مگر اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ "اگر امت پہلے جاگ جاتی تو شاید میرا باپ، میری بہن، میرے بھائی.....آج میرے ساتھ ہوتے!"

پھر وہ بلند آواز میں بولا: "یہ بائیکاٹ صرف معاشی جنگ نہیں، بلکہ یہ غیرت کا اعلان ہے!

یہ مظلوم کی پکار ہے!

یہ ظالم کی بنیادوں پر پہلا پتھر ہے!"

دنیا نے دیکھ لیا تھا کہ صرف شعور، صرف اتحاد، صرف چند لوگوں کا اخلاص اور مسلسل کوشش، کس طرح صدیوں کے ظالم کو جھکا سکتے ہیں۔

حمزہ اور اس کے ساتھیوں کو اطلاع ملی کہ خالد پکڑا گیا۔ "یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ وہ تو ہمارے ساتھ تھا!" حمزہ کا دل دھک سے رہ گیا۔ "اسے راستے میں کسی نے غداری کر کے دشمن کے حوالے کر دیا۔"

خالد کو اسرائیلی عقوبت خانے میں لے جایا گیا۔ اسے زنجیروں سے باندھ کر تشدد کا نشانہ بنایا گیا۔ "تمہارے ساتھی کہاں چھپے ہیں؟" ایک افسر نے گھور کر پوچھا۔ خالد نے زخمی ہونٹوں سے مسکراتے ہوئے کہا، "جہاں بھی ہوں گے، تمہارے ظلم کے خلاف لڑ رہے ہوں گے!"

ایک اور زوردار ضرب اس کے چہرے پر پڑی، لیکن وہ خاموش رہا۔ دوسری طرف، حمزہ اور باقی ساتھیوں نے فیصلہ کر لیا کہ وہ خالد کو چھوڑ نہیں سکتے۔ "یہ ہمارا امتحان ہے۔ اگر ہم اپنے ساتھی کو بچا نہیں سکے تو ہم اس تحریک کو کیسے زندہ رکھیں گے؟" "لیکن یہ خطرناک ہوگا، دشمن انتظار کر رہا ہوگا!"

حمزہ نے خالد کے آخری الفاظ کو یاد کرتے ہوئے کہا، "ہم وہ نسل ہیں جو غلامی قبول نہیں کرتی، ہم موت کو شکست دیں گے!"

حمزہ اور اس کے ساتھی خفیہ پناہ گاہ میں بیٹھے تھے۔ فضا میں ایک عجیب سی خاموشی تھی، مگر دلوں میں طوفان برپا تھا۔ خالد کی گرفتاری نے ان کے حوصلے کو توڑنے کی بجائے مزید مضبوط کر دیا تھا۔ "ہم خالد کو دشمن کے شکنجے میں نہیں چھوڑ سکتے!" حمزہ کی آواز میں بے پناہ عزم تھا۔ "لیکن دشمن کی جیل ناقابلِ تسخیر ہے، وہاں سے زندہ بچ نکلنا تقریباً ناممکن ہے۔" ایک ساتھی نے خدشہ ظاہر کیا۔ "ناممکن؟" حمزہ نے ایک تلخ مسکراہٹ کے ساتھ کہا: "فلسطین کی آزادی بھی تمہیں ناممکن لگتی ہے؟ یہ جنگ ہم نے جیتنی ہی ہے!"

دوسری طرف خالد پر ظلم کے پہاڑ توڑے جا رہے تھے۔ "تمہارے ساتھی کہاں ہیں؟" تفتیشی افسر نے کرسی پر بیٹھے زخمی خالد کے سامنے کھڑے ہو کر پوچھا۔ خالد نے خون تھوکتے ہوئے کہا: "تمہارے خوف کی سب سے بڑی علامت یہی ہے کہ تم چند نوجوانوں سے کانپ رہے ہو۔"

اس پر ایک اور زوردار مکا اس کے پیٹ میں مارا گیا۔ "تمہاری ہمت جلد ٹوٹ جائے گی!" افسر غرایا۔

خالد نے کمزور آواز میں جواب دیا: "ہمت وہ چیز نہیں جو تمہارے تشدد سے ختم ہو جائے، یہ ایمان سے پیدا ہوتی ہے اور ایمان کو تم ختم نہیں کر سکتے!"

حمزہ اور اس کے ساتھیوں نے خالد کو بچانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ وہ جانتے تھے کہ یہ مشن آسان نہیں ہوگا، مگر ان کے پاس کوئی اور راستہ نہیں تھا۔ "ہمیں دشمن کے نظام میں کوئی کمزوری تلاش کرنی ہوگی!"

"وہ جیل کے اندر کام کرنے والے کسی شخص سے رابطہ کر سکتے ہیں؟" ایک ساتھی نے مشورہ دیا۔

"ہاں! مجھے ایک پرانے فلسطینی کارکن کا پتہ ہے، جو وہاں قیدیوں کو کھانا پہنچاتا ہے!" ایک اور ساتھی بولا۔

چند دن بعد، انہیں ایک خفیہ ذریعہ ملا۔ ایک بوڑھا شخص جو جیل کے اندر مزدور کے طور پر کام کرتا تھا۔ "یہ بہت خطرناک ہے، مگر میں تمہاری مدد کروں گا۔" بوڑھے آدمی نے سرگوشی کی۔

"کیا خالد زندہ ہے؟" حمزہ نے بے چینی سے پوچھا۔ "ابھی تک تو ہے، مگر زیادہ دیر نہیں..... وہ اسے مارنے کی تیاری کر رہے ہیں!" یہ سنتے ہی حمزہ کے جسم میں سنسنی دوڑ گئی۔

وقت کم ہے۔ "ہمیں فوراً کچھ کرنا ہوگا!"

منصوبہ بنایا گیا کہ جب قیدیوں کو کھانے کے لیے باہر نکالا جائے گا تو ایک خاص وقت پر دھماکہ خیز آواز پیدا کر

کے دشمن کو منتشر کیا جائے گا اور اسی دوران خالد کو آزاد کرایا جائے گا۔ اگلی رات، حمزہ اور اس کے ساتھی جیل کے قریب پہنچ گئے۔ ان کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ بوڑھے آدمی نے اشارہ کیا کہ وقت آ چکا ہے۔ جیسے ہی جیل کے محافظ معمول کے گشت پر آئے، ایک زوردار آواز گونجی۔ دھماکہ نہیں، بلکہ مصنوعی شور جس سے فوجی پریشان ہو گئے۔ اسی لمحے، قیدیوں کے گروہ میں موجود حمزہ کے ایک ساتھی نے خالد کو کھینچ کر ایک دیوار کے پیچھے لے لیا۔ "جلدی کرو!" حمزہ نے زیرِ لب کہا۔

باہر نکلنے کے دوران ایک محافظ نے انہیں دیکھ لیا۔ گولیاں چلنے لگیں۔ "دوڑو!" خالد کمزوری کے باوجود تیزی سے بھاگا، مگر ایک ساتھی کو گولی لگ گئی۔ وہ وہیں گر گیا۔ باقی ساتھی دیوار پھلانگ کر باہر نکلے اور ایک تنگ گلی میں چھپ گئے۔ دشمن نے انہیں ڈھونڈنے کی کوشش کی، مگر وہ اندھیرے میں غائب ہو چکے تھے۔ "یہ محض ایک آدمی کو بچانے کی جنگ نہیں تھی، یہ دشمن کو یہ دکھانے کے لیے تھا کہ ہم ہار نہیں مانیں گے!" حمزہ نے تھکی ہوئی سانس کے ساتھ کہا۔ "لیکن اب وہ مزید مشتعل ہوں گے....." خالد نے دھیرے سے کہا۔

"تو پھر، ہمیں بھی مزید تیار ہونا ہوگا!" حمزہ کی آنکھوں میں عزم کی چمک تھی۔

خالد کی رہائی فلسطین کی آزادی کی جنگ میں ایک بڑی کامیابی تھی، مگر یہ صرف ایک جنگ تھی۔ پوری جنگ نہیں۔ اسرائیلی حکام شدید غصے میں تھے۔ "یہ کیسے ممکن ہے کہ ہمارے قیدی ہمارے ہاتھوں سے چھین لیے جائیں؟" اسرائیلی جنرل نے غصے میں میز پر مکا مارا۔ "ہمیں ان باغیوں کا مکمل خاتمہ کرنا ہوگا!"

دشمن نے پورے علاقے کو گھیرے میں لے لیا۔ گھروں پر چھاپے مارے جانے لگے، عورتوں اور بچوں کو گھروں سے نکال کر سڑکوں پر گھسیٹا جا رہا تھا۔ ایک بوڑھی ماں اپنے بیٹے کی لاش کے قریب بیٹھ کر چیخ رہی تھی، "یہ کس جرم کی سزا ہے؟ میرا بیٹا صرف روٹی لینے گیا تھا!"

حمزہ اور اس کے ساتھی ایک خفیہ پناہ گاہ میں چھپے یہ سب دیکھ رہے تھے۔ "یہ سب ہماری وجہ سے ہو رہا ہے۔" خالد نے دکھ بھرے لہجے میں کہا۔ "نہیں، یہ سب صرف اس لیے ہو رہا ہے کہ ہم نے غلامی سے انکار کر دیا ہے اور دنیا خاموش ہے!" حمزہ کی آواز میں چٹان جیسا حوصلہ تھا۔

دنیا میں چند ممالک نے ان مظالم پر رسمی انداز میں آواز ضرور اٹھائی، چند آنکھیں نم بھی ہوئیں، چند زبانوں نے

مذمت کے الفاظ بھی ادا کیے، لیکن زیادہ تر نے خاموشی کو اپنی پالیسی بنا لیا۔ اقوامِ متحدہ کے ایوانوں میں قرار دادیں منظور ہوئیں، کاغذوں پر مذمتیں چھپیں، سوشل میڈیا پر ہیش ٹیگ چلے، لیکن زمینی حقیقت یہ ہے کہ غزہ کے بچے اب بھی خون میں لت پت ہیں، ماں اب بھی ملبے میں دبی بیٹی کی لاش کو ہاتھ سے سہلا رہی ہے اور اسرائیلی ٹینک اب بھی نہتے انسانوں پر آگ برسا رہے ہیں۔

مسلم دنیا.....؟

آہ! مسلم دنیا کی حالت تو اس سے بھی زیادہ عبرت ناک ہے۔ جنہیں "امت واحدہ" کا تصور لے کر دنیا کی رہنمائی کرنی تھی، وہ آج اپنی اپنی بادشاہتوں، تخت و تاج اور تجارتی معاہدوں کی بقا کے لیے ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش میں ہیں۔ جن کی آنکھیں ایک اُمت کی غیرت پر نم ہونی چاہیے تھیں، وہ چمکتی میزوں پر بیٹھ کر ہنستے چہروں کے ساتھ اپنے "اتحادیوں" سے ہتھیاروں اور تیل کی نئی ڈیل طے کر رہے ہیں۔

"انہیں صرف اپنا کاروبار اور مفادات نظر آتے ہیں!"

"کیا انہیں ہماری لاشیں نظر نہیں آتیں؟" ایک نوجوان فلسطینی کی چیخ میں وہ کرب چھپا تھا، جو پوری امت کے ضمیر کو جھنجھوڑنے کے لیے کافی تھا۔ لیکن وہ چیخ گونج کر رہ گئی۔ نہ کسی ایوان میں سنی گئی، نہ کسی قصر میں، نہ کسی شاہی محل کی دیواروں سے ٹکرائی۔ بس ملبے میں دفن ہو گئی۔ ویسے ہی جیسے اس کی ماں، اس کی بہن، اس کی مسجد دفن ہو چکے تھے۔

خالد نے غصے سے مٹھیاں بھینچ لیں، لیکن اس کی آنکھوں میں صرف غصہ نہیں تھا۔ مایوسی تھی، بے بسی تھی اور ایک سوال تھا..... جو وہ اپنے ضمیر سے اور اس ساری امت سے بار بار کر رہا تھا:

"کیا خون کی قیمت تیل سے بھی کم ہے؟

کیا ہم اتنے سستے ہو گئے ہیں؟

کیا مسجد اقصیٰ صرف تقریروں میں مقدس ہے؟"

مسلم حکمرانوں کی بے حسی ایک گناہ بن چکی ہے، ایک ایسا گناہ، جو ان کے درباروں میں سجدوں سے نہیں دھل سکتا۔ ایک ایسا جرم، جس کی گواہی تاریخ دے گی اور قبر کی تاریکی میں ان کے تاج و تخت کچھ کام نہ آئیں گے!

خالد زمین پر بیٹھ گیا.....اور جیسے زمین سے لپٹ کر کہنے لگا: "اے خاکِ فلسطین! ہم تیرے وہ بیٹے ہیں جنہیں دنیا بھول گئی، ہماری ماؤں کی آہیں، بہنوں کی سسکیاں اور بچوں کی چیخیں، اب نہ عرب کے بازاروں میں سنائی دیتی ہیں، نہ مغرب کے میڈیا پر!"

اس کے چہرے سے آنسو بہہ رہے تھے، لیکن زبان پر صرف ایک فریاد تھی: "اے اللہ! اگر امت نہ جاگے تو تُو خود انصاف فرما اور ہماری مدد فرما۔ ہم بہت تھک گئے ہیں.....ہم مر چکے ہیں!"

اسرائیلی حکام غصے میں تھے کہ "اب وقت آ گیا ہے کہ ہم ان باغیوں کو مکمل ختم کر دیں!" اسرائیلی جنرل نے حکم جاری کیا۔ "یہ ہماری آخری جنگ ہوگی، ہم ان دہشت گردوں کو ہمیشہ کے لیے مٹا دیں گے!" اسرائیلی جنرل نے اعلان کیا۔ ہیلی کاپٹرز، ٹینک اور جدید اسلحے سے لیس فوجی تیار کھڑے تھے۔ اسرائیلی افواج نے پورے علاقے میں کرفیو لگا دیا۔ گھروں کو مسمار کیا جانے لگا، شہریوں کو بے دریغ قتل کیا جانے لگا۔ عورتوں اور بچوں کو زندہ جلا دیا جا رہا تھا اور نوجوانوں کو اغوا کر کے ٹارچر سیلز میں منتقل کیا جا رہا تھا۔

"یہ کھلی نسل کشی ہے!" ایک فلسطینی بوڑھا چیخ رہا تھا، مگر دنیا خاموش تھی۔ "یہ وقت غم میں ڈوبنے کا نہیں، بلکہ آخری جنگ لڑنے کا ہے!" حمزہ نے مجاہدین کے ایک گروہ کو مخاطب کیا۔

دوسری طرف، بائیکاٹ کی تحریک زور پکڑ رہی تھی۔ اسرائیلی مصنوعات کا بائیکاٹ اب صرف فلسطین تک محدود نہیں تھا، بلکہ پوری دنیا میں پھیل رہا تھا۔ "اگر وہ ہمارے خون سے منافع کماتے ہیں تو ہم ان کی معیشت کو جھکا دیں گے!" حمزہ نے عزم کے ساتھ کہا۔ سوشل میڈیا پر اسرائیلی کمپنیوں کے خلاف بائیکاٹ کی مہم ٹرینڈ بن چکی ہے۔ بڑی بڑی کمپنیوں کو کروڑوں کا نقصان ہو رہا ہے۔ کئی ممالک میں بڑی کمپنیوں کے خلاف مظاہرے ہو رہے ہیں۔

"اگر ہم میدانِ جنگ میں دشمن کو نہیں ہرا سکتے تو ہم ان کی معیشت پر ضرب ضرور لگا سکتے ہیں!" حمزہ نے کہا۔ "ہم نے اسرائیل کی معیشت کو ہلا کر رکھ دیا ہے!" ایک عالمی تجزیہ کار نے رپورٹ میں لکھا۔ کئی بڑی کمپنیوں کے حصص گرنے لگے۔

"یہ ہمارے لیے فتح کا پہلا قدم ہے!" حمزہ نے خوشی سے کہا۔ رات کے اندھیرے میں فلسطینی مجاہدین نے

آخری حملے کی تیاری کر لی۔ یہ ایک غیر روایتی جنگ تھی، جس میں جدید اسلحے کے مقابلے میں حوصلہ، بہادری اور ایمان تھا۔" ہم اپنی جانیں دے دیں گے، مگر اپنی زمین اور عزت پر سمجھوتہ نہیں کریں گے!" خالد نے اعلان کیا۔

اسرائیلی فوج نے فیصلہ کیا کہ وہ فلسطینی مزاحمت کو ختم کرنے کے لیے ایک بڑا حملہ کرے گی۔" یہ ان کی آخری سانس ہے، اگر ہم انہیں روک نہ سکے تو ہم ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائیں گے!" خالد نے کہا۔ فلسطینی نوجوان، بوڑھے، عورتیں سب میدان میں آ گئے۔ دنیا بھر میں فلسطینیوں کے حق میں احتجاج پھوٹ پڑے۔ لوگ سڑکوں پر نکل آئے، مسلم ممالک میں دباؤ بڑھنے لگا کہ وہ اسرائیل کے خلاف سخت موقف اختیار کریں۔" اگر مسلم حکمران کچھ نہیں کرتے تو عوام کرے گی!" ایک عالمی مظاہرے میں ایک نوجوان نے چیخ کر کہا۔

یہ احتجاج اتنے بڑے ہو گئے کہ کئی ممالک کو اسرائیل کے خلاف اقدامات کرنے پر مجبور ہونا پڑا۔ اس دباؤ کا اثر یہ ہوا کہ اسرائیل کو اپنا حملہ روکنا پڑا۔ یہ پہلی بار تھا کہ فلسطینیوں کی مزاحمت اور عالمی بائیکاٹ نے دشمن کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دیا تھا۔" ہم نے دکھا دیا کہ ہم زندہ ہیں، ہم جھکیں گے نہیں!" حمزہ نے نعرہ لگایا۔

اور پھر.....

خالد ایک ویران گلی میں کھڑا تھا..... وہی گلی، جہاں پہلے بچوں کی قلقاریاں سنائی دیتی تھیں، جہاں در و دیوار پر زندگی کی رنگت جھلکتی تھی، جہاں کسی ماں کی لوری رات کے سناٹے کو نرم کر دیتی تھی، آج وہی گلی خاموش تھی۔ ٹوٹے در و دیوار، جلے ہوئے درخت اور ہر کونے میں چھپی ہوئی ایک چیخ..... ایک سسکی..... ایک دعا۔

خالد نے جھک کر زمین سے مٹی کا ایک ٹکڑا اٹھایا، اسے اپنی مٹھی میں یوں بھینچا، جیسے کسی ماں نے اپنے آخری بچے کو سینے سے لگایا ہو۔ آنکھوں میں آنسو تھے، لیکن لبوں پر مسکراہٹ..... کیونکہ یہ صرف ایک اختتام نہیں تھا..... یہ ایک نئی شروعات تھی!

" یہ سب ختم نہیں ہوا..... جنگ ابھی جاری ہے..... لیکن اب ہم تنہا نہیں.....!"

دنیا جاگ چکی تھی!

وہ آوازیں، جو ماضی میں صرف مذمت پر ختم ہو جاتی تھیں، اب قدموں میں تبدیل ہو چکی تھیں۔ لوگوں نے

بائیکاٹ کو محض ایک نعرہ نہیں، بلکہ ایک فرض سمجھ کر اپنایا تھا۔ دکانوں سے مصنوعات غائب ہوگئیں، سوشل میڈیا پر مسلسل مہمات نے آگہی کو بیداری میں بدل دیا۔ بہت سی بڑی کمپنیوں کو اربوں کا نقصان ہوا، بین الاقوامی مارکیٹس میں اسرائیلی سرمایہ ڈوبنے لگا اور.....اسرائیل کو پہلی بار اپنی پالیسیوں پر نظرثانی کرنی پڑی۔

ایک صہیونی افسر نے عالمی میڈیا کے سامنے سر جھکا کر کہا: "ہم نے کبھی سوچا نہیں تھا کہ صرف صارفین کے انکار سے ہماری بنیادیں لرز سکتی ہیں.....لیکن اب ہمیں سمجھ آ گیا ہے.....دنیا بدل چکی ہے!"

یہ بائیکاٹ فلسطینیوں کی طرف سے دنیا کو دیا گیا وہ جواب تھا، جس میں نہ بندوق تھی، نہ بارود.....صرف شعور تھا، درد تھا اور غیرت تھی۔ خالد آسمان کی طرف دیکھ رہا تھا، جہاں اب بھی دھواں اُٹھ رہا تھا، لیکن اس دھوئیں میں امید کی ایک روشنی جھلک رہی تھی۔ اس کے دل میں یہ یقین جاگ چکا تھا کہ اگر دنیا کے باضمیر انسانوں نے بیدار رہنا سیکھ لیا تو ایک دن مسجد اقصیٰ کے مینار پھر سے آزاد فضا میں اذان دیں گے!

"یہ ہماری جیت نہیں.....

یہ انسانیت کی جیت ہے.....

یہ ضمیر کی فتح ہے.....

یہ اس بچے کی فتح ہے جس نے کھلونا چھوڑ کر بائیکاٹ کا پمفلٹ اٹھایا تھا اور یہ اس ماں کی فتح ہے، جس نے اپنے کچن میں اسرائیلی مصنوعات کی جگہ سادگی کو چُنا، تاکہ اس کے بیٹے کے ہاتھ میں فلسطین کا پرچم ہو، کوئی زنجیر نہیں....."

خالد کے لبوں پر ایک خاموش دعا تھی.....اور آنکھوں میں وہ خواب.....جو کبھی فلسطینیوں کی نسلیں اپنی نیندوں میں دیکھا کرتی تھیں.....اب وہ خواب حقیقت بننے جا رہا تھا۔

"یہ آزادی کی شروعات ہے.....

یہ بائیکاٹ کی طاقت ہے.....

یہ امت کے جاگنے کی پہلی دستک ہے.....!"